

تفہیم القرآن

سبا

(۴)

آئے نبی، ان مشرکین سے کہو کہ پکارو کھو اپنے ان معبودوں کو جنہیں تم اللہ کے سوا اپنا معبود سمجھے بیٹھے ہو۔ وہ نہ آسمانوں میں کسی ذرہ برابر چیز کے مالک ہیں نہ زمین میں۔ وہ آسمان و زمین کی ملکیت میں شریک بھی نہیں ہیں، ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار بھی نہیں ہے۔ اور اللہ کے حضور کوئی شفاعت بھی کسی کے لیے نافع نہیں ہو سکتی بجز اس شخص کے جس کے لیے اللہ نے سفارش کی اجازت دی ہو۔ حتیٰ کہ جب لوگوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوگی تو وہ پچھلے دور کو عوں میں آخرت کے متعلق مشرکین کے غلط تصورات پر کلام فرمایا گیا تھا۔ اب تقریباً رُخ ترویجِ شرک کے مضمون کی طرف پھر رہا ہے۔

۳۹ یعنی اللہ تو یوں انخاص اور اقوام اور سلطنتوں کی قسمتیں بناتا اور بگاڑتا ہے، جیسا کہ ابھی تم داؤد و سلیمان علیہما السلام اور قوم سبا کے ذکر میں سُن چکے ہو۔ اب ذرا اپنے ان بناوٹی معبودوں کو پکار کر دیکھ لو، کیا ان میں بھی یہ طاقت ہے کہ کسی کے اقبال کو ادا بار سے، یا ادا بار کو اقبال سے بدل سکیں؟

۴۰ یعنی کسی کا خود مالک ہونا، یا ملکیت میں شریک ہونا، یا مددگار خدا ہونا تو درکنار ساری کائنات میں کوئی ایسی ہستی تک نہیں پائی جاتی جو اللہ تعالیٰ کے حضور کسی کے حق میں بطور خود سفارش کر سکے۔ تم لوگ اس غلط فہمی میں پڑے ہو تے ہو کہ کچھ خدا کے پیارے ایسے ہیں، یا خدا کی خدائی میں کچھ بندے ایسے زور آور ہیں کہ وہ اڑ بیٹھیں تو خدا کو ان کی سفارش مانتی ہی پڑے گی۔ حالانکہ وہاں حال یہ ہے کہ اجازت دے بغیر کوئی زبان کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ جس کو اجازت ملے گی صرف وہی کچھ عرض کر سکے گا۔ اور جس کے حق میں

(سفارش کرنے والوں سے) پوچھیں گے کہ تمہارے رب نے کیا جواب دیا۔ وہ کہیں گے کہ ٹھیک جواب ملا ہے اور وہ بزرگ و بزرگستے۔

(اُسے نبی) ان سے پوچھو: کون تم کو آسمانوں اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کہو: اللہ۔ اب
 لا محالہ ہم میں اور تم میں سے کوئی ایک ہی ہدایت پر ہے یا کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے؟ ان سے
 سفارش کرنے کی اجازت ملے گی اسی کے حق میں عرض معروض کی جاسکے گی۔ اسلامی عقیدہ شفاعت اور مشرکانہ عقیدہ
 شفاعت کے فرق کو سمجھنے کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم ص ۲۶۲-۲۷۵-۳۵۶-۳۶۸-۵۵۶-۵۶۲۔
 جلد سوم، ص ۱۲۶-۱۵۵-۲۵۲)

۱۴۴ یہاں اُس وقت کا نقشہ کھینچا گیا ہے جب قیامت کے روز کوئی سفارش کرنے والا کسی کے حق میں سفارش کی اجازت طلب کرے گا۔ اس نقشے میں یہ کیفیت ہمارے سامنے آتی ہے کہ طلب اجازت کی درخواست بھیجنے کے بعد شافع اور مشغوع دونوں نہایت بے چینی کے عالم میں ڈرتے اور کانپتے ہوتے جواب کے منتظر کھڑے ہیں۔ آخر کار جب اوپر سے اجازت آجاتی ہے اور شافع کے پہرے سے مشغوع بچا ہوتا ہے کہ معاملہ کچھ اطمینان بخش ہے تو اس کی جان میں جان آتی ہے اور وہ آگے بڑھ کر شافع سے پوچھتا ہے کیا جواب آیا شافع جواب دیتا ہے کہ ٹھیک ہے، اجازت مل گئی ہے۔ اس بیان سے جو بات ذہن نشین کرنی مقصود ہے وہ یہ ہے کہ نادانوں! جس بڑے دربار کی شان یہ ہے اس کے متعلق تم کس خیال خام میں پڑے ہو کہ وہاں کوئی اپنے زور سے تم کو بخشوا لے گا یا کسی کی یہ مجال ہوگی کہ وہاں پھیل کر بیٹھ جائے اور اللہ سے کہے کہ یہ تو میرے متوسل ہیں، انہیں تو بخشنا ہی پڑے گا۔

۴۲ سوال اور جواب کے درمیان ایک لطیف خلا ہے۔ مخاطب مشرکین تھے جو صرف یہی نہیں کہ اللہ کی مستی کے منکر نہ تھے بلکہ یہ بھی جانتے اور مانتے تھے کہ رزق کی کنجیاں اُسی کے ہاتھ میں ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ دوسروں کو خدائی میں شریک ٹھہراتے تھے۔ اب جو ان کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا کہ تباؤ کون تمہیں آسمان زمین سے رزق دیتا ہے، تو یہ مشکل میں پڑ گئے۔ اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیتے ہیں تو خود اپنے اور اپنی قوم کے عقیدے کے خلاف بات کہتے ہیں۔ بہٹ دھری کی بنا پر ایسی بات کہہ بھی دیں تو ڈرتے ہیں کہ خود اپنی قوم کے

کہو: جو تصور ہم نے کیا ہو اس کی کوئی باز پرس تم سے نہ ہوگی اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس کی کوئی جواب طلبی ہم سے نہیں کی جائے گی۔ کہو: ہمارا رب ہم کو حج کرے گا، پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک

لوگ ہی اس کی تردید کے لیے اٹھ کھڑے ہونگے۔ اور اگر تسلیم کر لیتے ہیں کہ اللہ ہی رزق دینے والا ہے تو فوراً دوسرا سوال یہ سامنے آ جاتا ہے کہ پھر یہ دوسرے کس مرض کی دوا ہیں جنہیں تم نے خدا بنا رکھا ہے؟ رزق تو دے اللہ اور پوچھے جائیں یہ، آخر تمہاری عقل کہاں ماری گئی ہے کہ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ اس دو گونہ مشکل میں پڑ کر وہ دم بخود رہ جاتے ہیں۔ نہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ ہی رزق دینے والا ہے۔ نہ یہ کہتے ہیں کہ کوئی دوسرا معبود رزق دے۔ پوچھنے والا جب دیکھتا ہے کہ یہ لوگ کچھ نہیں بولتے، تو وہ خود اپنے سوال کا جواب دیتا ہے کہ ”اللہ“

۳۳ اس فقرے میں حکمت تبلیغ کا ایک اہم نکتہ پوشیدہ ہے۔ اوپر کے سوال و جواب کا منطقی نتیجہ یہ تھا کہ جو اللہ ہی کی بندگی و پرستش کرتا ہے وہ ہدایت پر ہوا اور جو اس کے سوا دوسروں کی بندگی بجا لاتا ہے وہ گمراہی میں مبتلا ہوا۔ اس بنا پر بظاہر تو اس کے بعد کہنا یہ چاہیے تھا کہ ہم ہدایت پر ہیں اور تم گمراہ ہو لیکن اس طرح دو ٹوک بات کہہ دینا حق گوئی کے اعتبار سے خواہ کتنا ہی درست ہو تا حکمت تبلیغ کے لحاظ سے درست نہ ہوتا۔ کیونکہ جب کسی شخص کو مخاطب کر کے آپ صاف صاف گمراہ کہہ دیں اور خود اپنے برسر ہدایت ہونے کا دعویٰ کریں تو وہ صدمہ میں مبتلا ہو جائے گا اور سچائی کے لیے اس کے دل کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اللہ کے رسول چونکہ مجرور حق گوئی کے لیے نہیں بھیجے جاتے بلکہ ان کے سپرد یہ کام بھی ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ حکیمانہ طریقے سے بگڑے ہوئے لوگوں کی اصلاح کریں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اسے نبی، اس سوال و جواب کے بعد اب تم ان لوگوں سے صاف کہہ دو کہ تم سب گمراہ ہو اور ہدایت پر صرف ہم ہیں۔ اس کے بجائے تلقین یہ فرمائی گئی کہ انہیں اب یوں سمجھاؤ۔ ان سے کہو ہمارے اور تمہارے درمیان یہ فرق تو کھل گیا کہ ہم اسی کو معبود مانتے ہیں جو رزق دینے والا ہے، اور تم ان کو معبود بنا رہے ہو جو رزق دینے والے نہیں ہیں۔ اب یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ ہم اور تم دونوں بیک وقت راہ راست پر ہوں۔ اس صریح فرق کے ساتھ تو ہم میں سے ایک ہی راہ راست پر ہو سکتا ہے، اور دوسرا لامحالہ گمراہ ٹھیکڑا ہے۔ اس کے بعد یہ سوچنا تمہارا اپنا کام ہے کہ دلیل کس کے برسر ہدایت ہونے کا فیصلہ کر رہی ہے اور کون اس کی رو سے گمراہ ہے۔

فیصلہ کر دیگا۔ وہ ایسا فیصلہ کرنے والا ہے جو سب کچھ جانتا ہے۔ ان سے کہو: ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی وہ کون ہستیاں ہیں جنہیں تم نے اس کے ساتھ شریک لگا رکھا ہے؟ ہرگز نہیں، زبردست اور دانا تو بس وہ اللہ ہی ہے۔

۱۴۵ اور پر کی بات سامعین کو پہلے ہی سوچنے پر مجبور کر چکی تھی۔ اس پر مزید ایک فقرہ یہ فرما دیا گیا تاکہ وہ اور زیادہ تفکر سے کام لیں۔ اس سے ان کو یہ احساس دلایا گیا کہ ہدایت اور گمراہی کے اس معاملے کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنا ہم میں سے ہر ایک کے اپنے مفاد کا تقاضا ہے۔ فرض کرو کہ ہم گمراہ ہیں تو اپنی اس گمراہی کا خمیازہ ہم ہی بھگتیں گے، تم پر اس کی کوئی پکڑ نہ ہوگی۔ اس لیے یہ ہمارے اپنے مفاد کا تقاضا ہے کہ کوئی عقیدہ اختیار کرنے سے پہلے خوب سوچ لیں کہ کہیں ہم غلط راہ پر تو نہیں جا رہے ہیں۔ اسی طرح تم کو بھی ہماری کسی غرض کے لیے نہیں بلکہ خود اپنی ہی خیر خواہی کی خاطر ایک عقیدے پر جمنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لینا چاہیے کہ کہیں تم کسی باطل نظریے پر تو اپنی زندگی کی ساری پونجی نہیں لگا رہے ہو۔ اس معاملے میں اگر تم نے ٹھوکر کھائی تو تمہارا اپنا ہی نقصان ہوگا، ہمارا کچھ نہ بگڑے گا۔

۱۴۶ یہ اس معاملہ پر غور کرنے کے لیے آخری اور سب سے بڑا محرک ہے جس کی طرف سامعین کو توجہ دلائی گئی ہے۔ بات اسی حد پر ختم نہیں ہو جاتی کہ اس زندگی میں ہمارے اور تمہارے درمیان حق و باطل کا اختلاف ہے اور ہم میں سے کوئی ایک ہی حق پر ہے، بلکہ اس کے آگے حقیقت نفس الامری یہ بھی ہے کہ ہمیں اور تمہیں، دونوں ہی کو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ اور رب وہ ہے جو حقیقت کو بھی جانتا ہے اور ہم دونوں گمراہوں کے حالات سے بھی پوری طرح باخبر ہے۔ وہاں جا کر نہ صرف اس امر کا فیصلہ ہوگا کہ ہم میں اور تم میں سے حق پر کون تھا اور باطل پر کون۔ بلکہ اس مقدمے کا فیصلہ بھی ہو جائے گا کہ ہم نے تم پر حق واضح کرنے کے لیے کیا کچھ کیا اور تم نے باطل پرستی کی ضد میں اگر ہماری مخالفت کس کس طرح کی۔

۱۴۷ یعنی قبل اس کے کہ تم ان معبودوں کے بھروسے پر اتنا بڑا خطرہ مول لو، ذرا مجھے یہیں بتا دو کہ ان میں سے کون اتنا زور آور ہے کہ اللہ کی عدالت میں وہ تمہارا حمایتی بن کر اٹھ سکتا ہو اور تمہیں اس کی گرفت سے بچا سکتا ہو؟

اور اُسے نبی، ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

یعنی تم صرف اسی شہر یا اسی ملک، یا اسی زمانے کے لوگوں کے لیے نہیں بلکہ تمام دنیا کے انسانوں کے لیے اور ہمیشہ کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے ہو۔ مگر یہ تمہارے ہم عصر اہل وطن تمہاری قدر و منزلت کو نہیں سمجھتے اور ان کو احساس نہیں ہے کہ کیسی عظیم ہستی کی بعثت سے ان کو نوازا گیا ہے۔

یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنے ملک یا اپنے زمانے کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک پوری نوح بشری کے لیے مبعوث فرمائے گئے ہیں، قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان کی گئی ہے۔ مثلاً

وَأَوْحِي إِلَىٰ هَٰذَا الْقُرْآنِ لِأَنَّذِرَ كُفْرًا ۖ وَمَنْ يَبْلُغِ رَالِ انْعَامِ ۝ ۱۹

اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے میں تم کو متنبہ کر دوں اور ہر اس شخص کو جسے یہ پہنچے۔

اُسے نبی کہہ دو کہ اُسے انسانوں میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ۖ وَالْعَافِ ۝ ۱۵۸

اور اُسے نبی، ہم نے نہیں بھیجا تم کو مگر تمام جہان والوں کے لیے رحمت کے طور پر۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۖ رَالِ انْبِيَاءِ ۝ ۱۰۷

بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لیے متنبہ کرنے والا ہو۔

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ۖ رَالِ الْفُرْقَانِ ۝ ۱

بہی مضمون نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بہت سی احادیث میں مختلف طریقوں سے بیان فرمایا ہے مثلاً:

بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ رُسُلًا ۖ رَالِ الْأَحْمَرِ ۖ رُوِيَاتُ ابْنِ مَرْثُ الشَّعْرِيِّ

میں کالے اور گندے سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

میں عمومیت کے ساتھ تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

أَمَّا أَنَا فَأَرْسَلْتُ إِلَى النَّاسِ كُلِّ عَامَةٍ ۖ كَانَ مِنْ قَبْلِي أَنَّمَا يُرْسَلُ إِلَى قَوْمٍ رَسُلًا ۖ رُوِيَاتُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ عَاصٍ

مجھ سے پہلے جو نبی بھی گزرا ہے وہ اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا۔

یہ لوگ تم سے کہتے ہیں کہ وہ (قیامت کا) وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟ کہو تمہارے لیے ایک ایسے دن کی مبعوث مقرر ہے جس کے آنے میں نہ ایک گھڑی بھر کی تاخیر تم کر سکتے ہو اور نہ ایک گھڑی بھر پہلے اسے لاسکتے ہو۔^{۶۷}

ع

یہ کافر کہتے ہیں کہ ہم ہرگز اس قرآن کو نہ مانیں گے اور نہ اس سے پہلے آئی ہوئی کسی کتاب کو تسلیم کریں گے۔ کاش تم دیکھو ان کا حال اُس وقت جب یہ ظالم اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں گے۔ اُس وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے۔ جو لوگ دنیا میں دبا کر رکھے گئے تھے وہ بُرے بننے والوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہوتے۔ وہ بُرے بننے والے ان دبا ہوئے لوگوں کو جواب

وكان النبي يبعث الى قومه خاصة و
بعثت الى الناس عامة (بخاری و مسلم، من حدیث
پہلے ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور
میں تمام انسانوں کے لیے مبعوث ہوتا ہوں۔
جابر بن عبد اللہ)

بعثت انا والساعة کھاتین یعنی صبیحین
(بخاری و مسلم)
میری بعثت اور قیامت اس طرح ہیں، یہ فرماتے ہوئے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیاں اٹھائیں۔
مطلب یہ تھا کہ جس طرح ان دو انگلیوں کے درمیان کوئی تیسری انگلی حائل نہیں ہے اسی طرح میرے اور
قیامت کے درمیان بھی کوئی نبوت نہیں ہے۔ میرے بعد بس قیامت ہی ہے اور قیامت تک میں ہی نبی رہنے والا ہوں
۸۷ یعنی جس وقت کے متعلق ابھی تم نے کہا ہے کہ ہمارا رب ہم کو جمع کرے گا اور ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ
کر دے گا وہ وقت آخر کب آئے گا؟ ایک مدت سے ہمارا اور تمہارا مقدمہ چل رہا ہے۔ ہم تمہیں بار بار کھٹلا چکے
ہیں اور کھلم کھلا تمہاری مخالفت کیے جا رہے ہیں۔ اب اس کا فیصلہ کیوں نہیں کر ڈالا جاتا؟

۹۷ دوسرے الفاظ میں اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے تمہاری خواہشات کے تابع
نہیں ہیں کہ کسی کام کے لیے جو وقت تم مقرر کرو اسی وقت پر وہ اُس کام کو کرنے کا پابند ہو۔ اپنے معاملات کو
وہ اپنی ہی سوا باریکے مطابق انجام دیتا ہے۔ تم اسے کیا سمجھ سکتے ہو کہ اللہ کی اسکیم میں فوج انسانی کو کب تک
اس دنیا کے اندر کام کرنے کا موقع مناسب ہے، کتنے اشخاص اور کتنی قوموں کی کس کس طرح آزمائش ہونی ہے، اور

ویں گے کیا ہم نے تمہیں اُس ہدایت سے روکا تھا جو تمہارے پاس آئی تھی؟ نہیں، بلکہ تم خود مجرم تھے۔
 کونسا وقت اس کے لیے موزوں ہے کہ اس دفتر کو لپیٹ دیا جائے اور تمام آدمین و آخرین کو محاسبہ کے لیے طلب کر لیا جائے۔ اس کام کا جو وقت اللہ ہی کی اسکیم میں مقرر ہے اسی وقت پر یہ کام ہو گا۔ نہ تمہارے تقاضوں سے وہ وقت ایک سکندھیلے آئے گا اور نہ تمہاری التجاؤں سے وہ ایک سکندھیلے کے لیے مل سکے گا۔
 نہ مراد میں لغاتِ عرب جو کسی آسمانی کتاب کو نہیں مانتے تھے۔

۱۵ یعنی عوام الناس، جو آج دنیا میں اپنے لیڈروں، سرداروں، پیروں اور حاکموں کے پیچھے آگئیں
 بند کیے چلے جا رہے ہیں، اور ان کے خلاف کسی ناصح کی بات پر کان دھرنے کے لیے تیار نہیں ہیں،
 یہی عوام جب اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ حقیقت کیا تھی اور ان کے یہ پیشوا انہیں کیا باور کرا رہے
 تھے، اور جب انہیں یہ پتہ چل جائے گا کہ ان رہنماؤں کی پیروی انہیں کس انجام سے دوچار کرنے والی
 ہے، تو یہ اپنے ان بزرگوں پر لپیٹ پڑیں گے اور چیخ چیخ کر کہیں گے کہ کم بختو، تم نے ہمیں گمراہ کیا، تم ہماری
 ساری مصیبتوں کے ذمہ دار ہو، تم ہمیں نہ بھگاتے تو ہم خدا کے رسولوں کی بات مان لیتے۔

۱۶ یعنی وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس ایسی کوئی طاقت نہ تھی جس سے ہم چند انسان تم کو ڈروں
 انسانوں کو زبردستی اپنی پیروی پر مجبور کر دیتے۔ اگر تم ایمان لانا چاہتے تو ہماری سرداریوں اور پیشوائیوں
 اور حکومتوں کا تختہ الٹ سکتے تھے۔ ہماری فوج تو تم ہی تھے۔ ہماری دولت اور طاقت کا سرچشمہ تو
 تمہارے ہی ہاتھ میں تھا تم نذرانے اور ٹیکس نہ دیتے تو ہم غلے تھے۔ تم ہمارے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے
 تو ہماری پیری ایک دن نہ چلتی۔ تم زندہ باد کے نعرے نہ مارتے تو کوئی ہمارا پوچھنے والا نہ ہوتا تم ہماری
 فوج بن کر دنیا بھر سے ہمارے لیے لڑنے پر تیار نہ ہوتے تو ایک انسان پر بھی ہمارا بس نہ چل سکتا تھا۔
 اب کیوں نہیں مانتے کہ دراصل تم خود اُس راستے پر نہ چلنا چاہتے تھے جو رسولوں نے تمہارے سامنے
 پیش کیا تھا۔ تم اپنی اغراض اور خواہشات کے بارے تھے اور تمہارے نفس کی یہ مانگ رسولوں
 کی بتائی ہوئی راہ تقویٰ کے بجائے ہمارے ہاں پوری ہوتی تھی۔ تم حرام و حلال سے بے نیاز ہو کر عیش
 دنیا کے طالب تھے اور وہ ہمارے پاس ہی نہیں نظر آتا تھا۔ تم ایسے پیروں کی تلاش میں تھے جو تمہیں

وہ دبے ہوتے لوگ ان بڑے بننے والوں سے کہیں گے: "نہیں، بلکہ شب و روز کی مکاری تھی جب تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھہرائیں۔" آخر کا جب یہ لوگ عذاب دکھیں گے تو اپنے دلوں میں پچھتاہیں گے اور ہم ان منکرین کے گلوں میں طوق ڈال دیئے۔ کیا لوگوں کو اس کے سوا اور کوئی بدلہ دیا جاسکتا ہے کہ جیسے اعمال ان کے تھے ویسی ہی جزا وہ پائیں؟

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں ایک خبردار کرنے والا بھیجا ہو اور اس بستی کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہ نہ کہا ہو کہ جو پیغام تم لیکر آئے ہو اس کو ہم نہیں مانتے۔ انہوں نے ہمیشہ ہی کہا کہ ہم تم سے زیادہ مال اولاد رکھتے ہیں اور ہم ہرگز سزا پانے والے نہیں ہیں۔ اسے نبی، ان کے ہر طرح کے گناہوں کی کھلی چھوٹ دیں اور کچھ نذرانہ لیکر خدا کے ہاں تمہیں بخشوا دینے کی خود ذمہ داری لے لیں تم ایسے پندتوں اور مولیوں کے طلبکار تھے جو ہر شرک اور ہر بدعت اور تمہارے نفس کی ہر دہسند چیز کو عین حق ثابت کر کے تمہارا دل خوش کریں اور اپنا کام بنائیں تم کو ایسے جل سازوں کی ضرورت تھی جو خدا کے دین کو بدل کر تمہاری خواہشات کے مطابق ایک نیا دین گھڑیں تم کو ایسے لیڈر درکار تھے جو کسی نہ کسی طرح تمہاری دنیا بنادیں خواہ عاقبت بگڑے یا درست ہو۔ تم کو ایسے حاکم مطلوب تھے جو خود بدکار اور بدویانت ہوں اور ان کی سرپرستی میں تمہیں ہر قسم کے گناہوں اور بدکاریوں کی چھوٹ ملی رہے۔ اس طرح ہمارے اور تمہارے درمیان برابر کے عین دین کا سودا ہوا تھا۔ اب تم کہاں یہ ڈھونگ رچانے چلے ہو کہ گویا تم بڑے معصوم لوگ تھے اور ہم نے زبردستی تمہیں بگاڑ دیا تھا۔

۳۳ دوسرے الفاظ میں ان عوام کا جواب یہ ہو گا کہ تم اس ذمہ داری میں ہم کو برابر کا شریک کہاں ٹھہرائے دے رہے ہو۔ کچھ یہ بھی یاد ہے کہ تم نے اپنی چال بازیوں، فریب کاریوں اور جھوٹے پروپیگنڈوں سے کیا طلسم باندھ رکھا تھا، اور رات دن خلق خدا کو پھانسنے کے لیے کیسے کیسے جتن کیا کرتے تھے۔ معاملہ صرف اتنا ہی تو نہیں ہے کہ تم نے ہمارے سامنے دنیا پیش کی اور ہم اس پر بھجے گئے امر و قبح یہ بھی تو ہے کہ تم شب و روز کی مکاریوں سے ہم کو بے وقوف بناتے تھے اور تم میں سے ہر شکاری

کہو میرا رب جسے چاہتا ہے کشادہ رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپاٹا عطا کرتا ہے، مگر اکثر لوگ اس کی حقیقت نہیں جانتے یہ تمہاری دولت اور تمہاری اولاد نہیں ہے روز ایک نیا جال بن کر طرح طرح کی تدبیروں سے اللہ کے بندوں کو اس میں پھانستا تھا۔

قرآن مجید میں پیشواؤں اور پیروں کے اس جھگڑے کا ذکر مختلف مقامات پر مختلف طریقوں سے آیا ہے۔ تفصیل کے لیے حسب ذیل مقامات ملاحظہ ہوں: اعراف، آیات ۳۸-۳۹۔ ابراہیم، ۲۱۔ القصص، ۶۳۔ الاحزاب، ۶۶-۶۸۔ المؤمن، ۴۰-۴۸۔ خم السجدہ، ۲۹۔
۵۴ یہ بات قرآن مجید میں بکثرت مقامات پر بیان کی گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مقابلہ سب سے پہلے اور سب سے آگے بڑھ کر ان خوشحال طبقوں نے کیا ہے جو دولت و شہرت اور نفوذ و اقتدار کے مالک تھے۔ مثال کے طور پر حسب ذیل مقامات ملاحظہ ہوں:
الانعام، ۱۲۳۔ الاعراف، ۶۰-۶۶-۶۷-۶۸-۸۸-۹۰۔ ہود، ۲۷-۲۸۔ بنی اسرائیل، ۱۶۷۔ المؤمنون، ۲۴-۳۳ تا ۳۸۔ ۴۶-۴۷۔ الزخرف، ۲۳۔

۵۵ ان کا استدلال یہ تھا کہ ہم تم سے زیادہ اللہ کے پیارے اور پسندیدہ لوگ ہیں، جی تو اس نے ہم کو ان نعمتوں سے نوازا ہے جن سے تم محروم ہو، یا کم از کم ہم سے فروتر ہو۔ اگر اللہ ہم سے راضی نہ ہوتا تو یہ سروسامان اور یہ دولت و شہرت ہمیں کیوں دیتا۔ اب یہ بات ہم کیسے باور کر لیں کہ اللہ یہاں تو ہم پر نعمتوں کی بارش کر رہا ہے اور آخرت میں جا کر ہمیں عذاب دے گا۔ عذاب ہونا ہے تو ان پر ہونا ہے جو یہاں اس کی نوازشوں سے محروم ہیں۔

قرآن مجید میں دنیا پرستوں کی اس غلط فہمی کا بھی جبکہ جبکہ ذکر کر کے اس کی تردید کی گئی ہے مثال کے طور پر حسب ذیل مقامات ملاحظہ ہوں: البقرہ، ۱۲۶-۱۲۷۔ التوبہ، ۵۵-۶۹۔ ہود، ۳-۲۷۔ الرعد، ۲۶۔ الکہف، ۳۴ تا ۳۷۔ مریم، ۷۳ تا ۷۷۔ طہ، ۱۳۱۔ المؤمنون، ۵۵ تا ۶۱۔ الشعراء، ۱۱۱۔ القصص، ۷۶ تا ۸۳۔ الروم، ۹۰۔ المدثر، ۱۱ تا ۲۶۔ الفجر، ۱۵ تا ۲۰۔

۵۶ یعنی دنیا میں رزق کی تقسیم کا انتظام جس حکمت و مصلحت پر مبنی ہے اُس کو یہ لوگ نہیں

جو تمہیں ہم سے قریب کرتی ہو۔ ہاں مگر جو ایمان لاتے اور نیک عمل کرے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے عمل کی دُہری جزا ہے، اور وہ بلند و بالا عمارتوں میں اطمینان سے رہیں گے۔ رہے وہ لوگ جو ہماری آیات کو نیچا دکھانے کے لیے دُور دھوپ کرتے ہیں، تو وہ عذاب میں مبتلا ہونگے۔

اے نبی، ان سے کہو: ”میرا رب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپاٹتا دیتا ہے۔ جو کچھ تم خرچ کر دیتے ہو اُس کی جگہ وہی تم کو اور بچتے اور اس غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں کہ جسے اللہ کشادہ رزق دے رہا ہے وہ اُس کا محبوب ہے، اور جسے تنگی کے ساتھ دے رہا ہے وہ اس کے غضب میں مبتلا ہے۔ حالانکہ اگر کوئی شخص ذرا آنکھیں کھول کر دیکھے تو اسے نظر آ سکتا ہے کہ بسا اوقات بڑے ناپاک اور گھناؤنے کردار کے لوگ نہایت خوشحال ہوتے ہیں، اور بہت سے نیک اور شریف انسان، جن کے کردار کی خوبی کا ہر شخص معترف ہوتا ہے، تنگ دستی میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ اب آخر کون صاحب عقل آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ کو یہ پاکیزہ اخلاق کے لوگ ناپسند ہیں اور وہ شریر و خبیث لوگ ہی اسے بچے لگتے ہیں۔

۵۵ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور دونوں ہی صحیح ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ سے قریب کرنے والی چیز مال اور اولاد نہیں ہے بلکہ ایمان و عمل صالح ہے۔ دوسرے یہ کہ مال اور اولاد صرف اُس مومن صالح انسان ہی کے لیے ذریعہ تقرُّب بن سکتے ہیں جو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور اپنی اولاد کو اچھی تعلیم و تربیت سے خدا شناس اور نیک کردار بنانے کی کوشش کرے۔

۵۶ اس میں ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف بھی ہے کہ ان کی یہ نعمت لازوال ہوگی اور اس اجر کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔ کیونکہ جس عیش کے کبھی ختم ہو جانے کا خطرہ ہو اس سے انسان پوری طرح مطمئن ہو کر لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ نہ معلوم کب یہ سب کچھ چھین جائے۔

دیتا ہے، وہ سب رازقوں سے بہتر رازق ہے۔

اور جس دن وہ تمام انسانوں کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا کیا یہ لوگ
۵۹ اس مضمون کو تکرار بیان کرنے سے مقصود اس بات پر زور دینا ہے کہ رزق کی کمی و بیشی
اللہ کی مشیت سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ اس کی رضا سے۔ مشیت الہی کے تحت اچھے اور بُرے
ہر طرح کے انسانوں کو رزق مل رہا ہے۔ خدا کا اقرار کرنے والے بھی رزق پا رہے ہیں اور اس کا انکار
کرنے والے بھی۔ نہ رزق کی فراوانی اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی خدا کا پسندیدہ بندہ ہے، اور نہ
اس کی تنگی اس امر کی علامت ہے کہ آدمی اس کا مغضوب ہے۔ مشیت کے تحت ایک ظالم اور
بے ایمان آدمی بھٹتا پھرتا ہے، حالانکہ ظلم اور بے ایمانی خدا کو پسند نہیں ہے۔ اور اس کے برعکس مشیت
ہی کے تحت ایک سچا اور ایماندار آدمی نقصان اٹھاتا اور تکلیفیں سہتا ہے، حالانکہ یہ صفات خدا کو
پسند ہیں۔ لہذا وہ شخص سخت گمراہ ہے جو مادی فوائد و منافع کو خیر و شر کا پیمانہ قرار دیتا ہے۔ اصل
چیز خدا کی رضا ہے اور وہ ان اخلاقی اوصاف سے حاصل ہوتی ہے جو خدا کو محبوب ہیں۔ ان اوصاف
کے ساتھ اگر کسی کو دنیا کی نعمتیں حاصل ہوں تو یہ بلاشبہ خدا کا فضل ہے جس پر شکرا ادا کرنا چاہیے لیکن
اگر ایک شخص اخلاقی اوصاف کے لحاظ سے خدا کا باغی و نافرمان بندہ ہو اور اس کے ساتھ دنیا کی
نعمتوں سے نوازا جا رہا ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ سخت باز پرس اور بدترین عذاب کے
لیے تیار ہو رہا ہے۔

نلہ رازق، صانع، مُوجِد، مُعْطٰی اور ایسی ہی دوسری بہت سی صفات ایسی ہیں جو اصل
میں تو اللہ تعالیٰ ہی کی صفات ہیں مگر مجازاً بندوں کی طرف بھی منسوب ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ہم ایک
شخص کے متعلق کہتے ہیں کہ اس نے فلاں شخص کے روزگار کا بندہ بن کر دیا، یا اس نے یہ عطیہ
دیا، یا اس نے فلاں چیز بنا لی یا ایجاد کی۔ اسی لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خیر الرزاقین کا لفظ
استعمال فرمایا ہے۔ یعنی جن جن کے متعلق تم گمان رکھتے ہو کہ وہ روزی دینے والے ہیں اُن سب سے
بہتر روزی دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

تمہاری ہی عبادت کیا کرتے تھے؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ”پاک ہے آپ کی ذات، ہمارا تعلق تو آپ سے ہے نہ کہ ان لوگوں سے۔“ دراصل یہ ہماری نہیں بلکہ جنوں کی عبادت کرتے تھے، ان میں سے اکثر انہی پر ایمان لائے ہوئے تھے۔^{۹۲} اُس وقت

۹۱۔ قدیم ترین زمانے سے آج تک ہر دور کے مشرکین فرشتوں کو دیوی اور دیوتا قرار دے کر ان کے بت بناتے اور ان کی پرستش کرتے رہے ہیں۔ کوئی بارش کا دیوتا ہے تو کوئی بجلی کا اور کوئی ہوا کا۔ کوئی دولت کی دیوی ہے تو کوئی علم کی اور کوئی موت و ہلاکت کی۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ قیامت کے روز ان فرشتوں سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم ہی ان لوگوں کے معبود بنے ہوئے تھے؟ اس سوال کا مطلب صرف دریافتِ حال ہی نہیں ہے بلکہ اس میں یہ معنی بھی پوشیدہ ہیں کہ کیا تم ان کی اس عبادت سے راضی تھے؟ کیا تم نے یہ کہا تھا کہ لوگوں تمہارے معبود ہیں، تم ہماری پوجا کیا کرو؟ یا تم نے یہ چاہا تھا کہ یہ لوگ تمہاری پوجا کریں؟ قیامت میں یہ سوال صرف فرشتوں ہی سے نہیں بلکہ تمام ان ہستیوں سے کیا جائے گا جن کی دنیا میں عبادت کی گئی ہے۔ چنانچہ سورہ فرقان میں ارشاد ہوا ہے:

وَيَوْمَ يُخْشَوُهُمُ وَ مَا يَعْْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ أَمْ أَنْتُمْ مُضِلُّونَ عِبَادِي هَؤُلَاءِ أَمْ هُمْ صَالُوا السَّبِيلِ۔
جس روز اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اور ان ہستیوں کو جن کی یہ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں جمع کرے گا پھر پوچھے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود راہِ راست سے ہٹ چکے تھے؟
رأیت ۱۷

۹۲۔ یعنی وہ جواب دیں گے کہ حضور کی ذات اس سے منزہ اور بالاتر ہے کہ کوئی دوسرا خدائی و معبودیت میں آپ کا شریک ہو۔ ہمارا ان لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہم ان سے اور ان کے افعال سے بری الذمہ ہیں۔ ہم تو حضور کے بندے ہیں۔

۹۳۔ اس فقرے میں جن سے مراد شیاطین جن ہیں۔ فرشتوں کے اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ بظاہر تو یہ ہمارے نام لے کر، اور اپنے تعجلات کے مطابق ہماری صورتیں بنا کر گویا ہماری

ہم کہیں گے کہ آج تم میں سے کوئی نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ اور ظالموں سے ہم کہہ دیں گے کہ اب چکھو اس عذابِ بہنم کا مزہ جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ ان لوگوں کو جب ہماری صاف صاف آیات سنائی جاتی ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص تو میں یہ چاہتا ہے کہ تم کو ان مہبودوں سے برگشتہ کر دے جن کی عبادت تمہارے باپ دادا کرتے آئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ”یہ (قرآن) محض ایک جھوٹ ہے گھڑا ہوا۔“ ان کافروں کے سامنے جب خنیاں آیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ ”یہ تو صریح جادو ہے۔“ حالانکہ نہ ہم نے ان لوگوں کو پہلے کوئی کتاب دی تھی کہ یہ اسے پڑھتے ہوں اور نہ تم سے پہلے ان کی طرف کوئی متنبہ کرنے والا بھیجا تھا۔ ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگ جھٹلا چکے ہیں۔ جو کچھ ہم نے انہیں دیا تھا اُس کے عشرِ عشر کو بھی یہ نہیں پہنچے ہیں۔ مگر جب انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تو دیکھ لو کہ میری سزا کیسی

عبادت کرتے تھے، لیکن دراصل یہ ہماری نہیں بلکہ شیاطین کی بندگی کو رہے تھے، کیونکہ شیاطین ہی نے ان کو یہ راستہ دکھایا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا حاجت روا سمجھو اور ان کے آگے نذرِ نیاز پیش کیا کرو۔

اس آیت سے پھر عبادت کے ایک دوسرے مفہوم پر روشنی پڑتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت صرف پرستش اور پوجا پاٹ ہی کا نام نہیں ہے بلکہ کسی کے حکم پر چلنا اور اس کی بے پناہ چرا اطاعت کرنا بھی عبادت ہی ہے۔ خنیاں کہ اگر آدمی کسی پر لعنت بھیجتا ہو (جیسا کہ شیطان پر بھیجتا ہے) اور پھر بھی پیروی اسی کے طریقے کی کیے جا رہا ہو تب بھی وہ اس کی عبادت کا ترکیب ہے۔ اس کی دوسری مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد اول، ص ۳۹۸-۴۰۴۔ جلد دوم، ص ۱۸۹-۱۹۰۔ جلد سوم، ص ۶۹-۶۵۶۔

ملاحظہ یعنی اس سے پہلے نہ کوئی کتاب خدا کی طرف سے ایسی آئی ہے اور نہ کوئی رسول ایسا آیا ہے جس نے آکر ان کو یہ تعلیم دی ہو کہ یہ اللہ کے سوا دوسروں کی بندگی و پرستش کیا کریں۔ اس لیے

سخت تھی۔ ع

اے نبی! ان سے کہو کہ ”میں تمہیں بس ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں۔ خدا کے لیے تم اکیسے اکیسے اور دو دو مل کر اپنا دماغ لٹاؤ اور سوچو، تمہارے صاحب میں آخر ایسی کوئی بات ہے جو جنون کی ہو؟ وہ تو ایک سخت عذاب کی آمد سے پہلے تم کو متنبہ کرے والا ہے۔“ ان سے کہو، ”اگر میں نے تم سے کوئی اجر مانگا ہے تو وہ تم ہی کو مبارک رہے۔ میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔“ ان سے کہو یہ لوگ کسی علم کی بنا پر نہیں بلکہ سراسر جہالت کی بنا پر قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ توحید کا انکار کر رہے ہیں۔ اس کے لیے ان کے پاس کوئی سند نہیں ہے۔

۶۵ یعنی کتے کے لوگ تو اس قوت و شوکت اور اُس خوشحالی کے عشرِ عشر کو بھی نہیں پہنچے ہیں جو اُن قوموں کو حاصل تھی۔ مگر دیکھ لو کہ جب انہوں نے اُن حقائق کو ماننے سے انکار کیا جو نبیلہ عظیم السلام نے ان کے سامنے پیش کیے تھے، اور باطل پر اپنے نظامِ زندگی کی بنیاد رکھی تو آخر کار وہ کس طرح تباہ ہوئیں اور ان کی قوت و دولت ان کے کسی کام نہ آ سکی۔

۶۶ یعنی اغراض اور خواہشات اور تعصبات سے پاک ہو کر خالصتہً اللہ غور کرو۔ ہر شخص الگ الگ بھی نیک نیتی کے ساتھ سوچے اور دو دو چار چار آدمی سر جوڑ کر بھی بے لاگ طریقے سے ایک دوسرے کے ساتھ بحث کر کے تحقیق کریں کہ آخر وہ کیا بات ہے جس کی بنا پر آج تم اُس شخص کو محنون ٹھہرا رہے ہو جسے کل تک تم اپنے درمیان نہایت دانا آدمی سمجھتے تھے۔ آخر نبوت سے تھوڑی ہی مدت پہلے کا تو واقعہ تھا کہ تعبیرِ کعبہ کے بعد حجرِ اسود نصب کرنے کے مسئلے پر جب قبائلِ قریش باہم لڑ پڑے تھے تو تم ہی لوگوں نے بالاتفاق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تسلیم کیا تھا اور انہوں نے ایسے طریقے سے اس جھگڑے کو چپکا یا تھا جس پر تم سب مطمئن ہو گئے تھے۔ جس شخص کی عقل و دانش کا یہ تجربہ تمہاری ساری قوم کو ہو چکا ہے، اب کیا بات ایسی ہو گئی کہ تم اسے محنون کہنے لگے؟ بٹ دھری اور ضد کی بات تو دوسری ہے، مگر کیا واقعی تم اپنے دلوں میں بھی وہی کچھ سمجھتے ہو جو اپنی زبانوں

٢٩

کاش تم دیکھو! انہیں اُس وقت جب یہ لوگ گھبرائے پھر رہے ہوں گے اور کہیں بچ کر نہ جاسکیں گے، بلکہ قریب ہی سے پکڑ لیے جائیں گے۔ اُس وقت یہ کہیں گے کہ ہم اُس پر ایمان لے آئے۔ حالانکہ اب دُور نظلی ہوئی چیز کہاں ہاتھ آسکتی ہے۔ اس سے پہلے یہ کفر کر چکے تھے اور

۱؎ اس زمانے کے بعض ظالم لوگوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس کی رُو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گمراہ ہو سکتے تھے، بلکہ ہو جایا کرتے تھے، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے خود حضور ہی کی زبان سے یہ کہلوا دیا کہ اگر میں گمراہ ہوتا ہوں تو اپنی گمراہی کا خود ذمہ دار ہوتا ہوں اور راہِ راست پر میں بس اُس وقت ہوتا ہوں جب میرا رب مجھ پر وحی ربیٰ (یعنی آیات قرآنی) نازل کرتا ہے۔ اس غلط تاویل سے یہ ظالم گویا یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضور کی زندگی معاذ اللہ ہدایت و ضلالت کا مجموعہ تھی اور اللہ تعالیٰ نے کفار کے سامنے حضور سے یہ اعتراف اس لیے کر دیا تھا کہ کہیں کوئی شخص آپ کو بالکل ہی راہِ راست پر سمجھ کر آپ کی مکمل پیروی نہ اختیار کر بیٹھے۔ حالانکہ جو شخص بھی سلسلہ کلام پر غور کرے گا وہ جان لے گا کہ یہاں اگر میں گمراہ ہو گیا ہوں کے الفاظ اس معنی میں نہیں کہے گئے ہیں کہ معاذ اللہ حضور فی الواقع گمراہ ہو جاتے تھے، بلکہ پوری بات اس معنی میں کہی گئی ہے کہ اگر میں گمراہ ہو گیا ہوں، جیسا کہ تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو، اور میرا یہ نبوت کا دعویٰ اور میری یہ دعوت تو حید اسی گمراہی کا نتیجہ ہے جیسا کہ تم گمان کر رہے ہو، تو میری گمراہی کا وبال مجھ پر ہی پڑے گا، اس کی ذمہ داری میں تم نہ پکڑے جاؤ گے لیکن اگر میں ہدایت پر ہوں، جیسا کہ درحقیقت ہوں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھ پر میرے رب کی طرف سے وحی آتی ہے جس کے ذریعہ سے مجھے راہِ راست کا علم حاصل ہو گیا ہے۔ میرا رب قریب ہی موجود ہے اور سب کچھ سن رہا ہے، اسے معلوم ہے کہ میں گمراہ ہوں یا اس کی طرف سے ہدایت یافتہ۔

۲؎ یعنی قیامت کے روز ہر مجرم اس طرح پکڑا جائے گا کہ گویا پکڑنے والا قریب ہی کہیں چھپا کھڑا تھا ذرا اس نے بھاگنے کی کوشش کی اور فوراً ہی دھر لیا گیا۔

۳؎ مراد یہ ہے کہ اُس تعلیم پر ایمان لے آئے جو رسول نے دنیا میں پیش کی تھی۔

۴؎ یعنی ایمان لانے کی جگہ تو دنیا تھی اور وہاں سے اب یہ بہت دُور نکل آئے ہیں۔ عالمِ آخرت

بلا تحقیق دود و دُور کی کوڑیاں لایا کرتے تھے۔ اُس وقت جس چیز کی تمنا یہ کر رہے ہونگے اس سے یہ محروم کر دیئے جائیں گے جس طرح ان کے پیش رو ہم مشرب محروم ہو چکے ہونگے۔ یہ بڑے گمراہ کن شک میں پڑے ہوئے تھے۔

میں پہنچ جانے کے بعد اب توبہ و ایمان کا موقع کہاں مل سکتا ہے۔

یعنی رسولِ افد تعلیماتِ رسول اور اہل ایمان پر طرح طرح کے الزامات لگاتے، آوازے کستے اور فقرے چُنت کرتے تھے کبھی کہتے یہ شخص ساحر ہے کبھی کہتے مجنون ہے۔ کبھی توحید کا مذاق اُڑاتے اور کبھی آخرت کے تخیل پر باتیں چھانٹتے کبھی یہ افسانہ تراشتے کہ رسول کو کوئی اور سکھاتا پڑھاتا ہے اور کبھی ایمان لانے والوں کے متعلق کہتے کہ یہ محض اپنی نادانی کی وجہ سے رسول کے پیچھے لگ گئے ہیں۔

در حقیقت شرک اور دہریت اور انکارِ آخرت کے عقائد کوئی شخص بھی یقین کی بنا پر اختیار نہیں کرتا اور نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ یقین صرف علم سے حاصل ہوتا ہے، اور کسی شخص کو بھی یہ علم حاصل نہیں ہے کہ خدا نہیں ہے، یا بہت سے خدا ہیں، یا خدائی کے اختیارات میں بہت سی سستیوں کو دخل حاصل ہے، یا آخرت نہیں ہوتی یہ پس جس نے بھی دنیا میں یہ عقائد اختیار کیے ہیں اس نے محض قیاس و گمان پر ایک عمارت کھڑی کر لی ہے جس کی اصل بنیاد شک کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اور یہ شک انہیں سخت گمراہی کی طرف لے گیا ہے۔ انہیں خدا کے وجود میں شک ہو گیا۔ انہیں توحید کی صداقت میں شک ہو گیا۔ انہیں آخرت کے آنے میں شک ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس شک کو انہوں نے یقین کی طرح دلوں میں بٹھا کر انبیاء کی کوئی بات نہ مانی اور اپنی زندگی کی پوری مہلتِ عمل ایک غلط راستے میں کھپا دی۔

ضروری اعلانات

ذمہ ترجمان القرآن میں پچھلے سالوں کے چند پرچے براۓ فروخت موجود ہیں۔ ضرور تمند حضرات کی سہولت کے لیے ان کی قیمت میں پچاس فیصد رعایت کر دی گئی ہے۔ فائل رکھنے کے خواہشمند حضرات فوری توجہ فرمائیں۔

۱۔ جون ۱۹۵۸ء	جلد ۳۱	عدد ۲	۱۶۔ نومبر ۱۹۵۸ء	جلد ۳۵	عدد ۱
۲۔ جولائی ۱۹۵۸ء	" "	عدد ۳	۱۷۔ دسمبر ۱۹۵۸ء	" "	۲
۳۔ اگست ۱۹۵۸ء	" "	عدد ۴	۱۸۔ ستمبر ۱۹۵۸ء	جلد ۳۶	۵-۶
۴۔ ستمبر ۱۹۵۸ء	" "	عدد ۵	۱۹۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء	" "	۱
۵۔ جون و جولائی ۱۹۵۹ء	جلد ۳۲	عدد ۲	۲۰۔ نومبر ۱۹۵۸ء	" "	۳
۶۔ اگست ۱۹۵۹ء	" "	عدد ۳	۲۱۔ اپریل و مئی ۱۹۵۹ء	جلد ۳۸	عدد ۲-۱
۷۔ ستمبر ۱۹۵۹ء	" "	عدد ۴	۲۲۔ جولائی۔ اگست ۱۹۵۹ء	جلد ۴۰	۴-۵
۸۔ نومبر ۱۹۵۹ء	" "	عدد ۵	۲۳۔ ستمبر ۱۹۵۹ء	" "	۶
۹۔ دسمبر۔ جنوری ۱۹۵۹-۶۰ء	جلد ۳۳	عدد ۳، ۲، ۱	۲۴۔ اکتوبر ۱۹۵۹ء	" "	۱
۱۰۔ مارچ ۱۹۶۰ء	" "	عدد ۴	۲۵۔ نومبر ۱۹۵۹ء	" "	۲
۱۱۔ اپریل ۱۹۶۰ء	" "	عدد ۵	۲۶۔ دسمبر ۱۹۵۹ء	" "	۳
۱۲۔ مئی ۱۹۶۰ء	" "	۶	۲۷۔ مارچ ۱۹۶۰ء	" "	۶
۱۳۔ جون ۱۹۶۰ء	جلد ۳۴	عدد ۱	۲۸۔ اپریل ۱۹۶۰ء	" "	۱
۱۴۔ جولائی تا ستمبر ۱۹۶۰ء	" "	۵، ۴، ۳، ۲	۲۹۔ جولائی ۱۹۶۰ء	" "	۲
۱۵۔ اکتوبر ۱۹۶۰ء	" "	عدد ۶	۳۰۔ اگست ۱۹۶۰ء	" "	۵

بینچر ترجمان القرآن